علوم محمدیہ اور موجودہ ترقیاں

(از جناب مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری)

شکر نعمت و احتساب نفس

ایک دن حدیث "اُوتیتُ علم الاولین والاخرین" پر کچھ یوں ہی بیٹھا غور کر رہا تھا کہ ناگہاں اس حدیث شریف کا ایک عجیب محمل ذہن میں آیا جس سے میرے خیال میں اشارۃً عہد حاضر کی مادی ترقیوں میں اور علوم محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں ایک لطیف ربط منکشف ہوا۔ اُسوقت جی تو یہی چاہا اور اب بھی چاہتا ہے کہ اسکو حقتعالیٰ کیجانب سے ایک علم خاص اور نعمت عظیمہ سمجھوں چنانچہ کچھ دیر تک شکر نعمت ادا کرتا بھی رہا لیکن چونکہ بعون اللہ اپنی نااہلی و بے استحقاقی کا اندازہ شناس ہوں اسلئے معاً یہ خیال آیا کہ اکثر مغالطۂ ذہن اور حدیث النفس کا ظہور بھی اسی شکل میں ہوتا ہے لہٰذا بغیر تائید علماء و تصدیق اہل نظر اپنے خیال پر اعتماد نہ کر لینا چاہیئے اس لئے محض استصواب و استفادہ کی غرض سے حدیث مذکور کے اس جدید محمل کو اہل علم کے سامنے پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ علمائے اعلام اسپر غائر نظر ڈال کر فیصلہ فرمائینگے کہ یہ محمل صحیح ہی یا غلط۔ موافق نصوص ہے یا مخالف۔ یہاں میں یہ بھی عرض کر دوں کہ جدید محمل ہونیکی وجہ سے بہت ممکن ہو کہ یہ بظاہر تاویل بارد اور تفسیر بالرائے معلوم ہو لیکن اگر کسی نص کے صریح مخالف نہو نیز اصول و قواعد شرع کے مزاحم و مصادم نہ ہو تو اس جدّت کو گوارا کرنیمیں کیا قباحت ہوگی؟ یہ بھی ممکن ہو کہ یہ کہا جائے کہ اس محمل جدید کا مضمون اور اُسکے ضمنی مباحث سب اگرچہ صحیح اور موافق نصوص ہیں مگر اس حدیث سے یہ محمل نکالنا دور ازکار ہی۔ یہ محمل تو فلاں آیت یا حدیث سے صاف و صریح نکل سکتا ہی یا استدلال میں خامی ہی یا بیانات ناقص اور تشنہ ہیں تو اپنے نقص و کم علمی کا اعتراف بلکہ اعلان کرتا ہوں اور بفحوائے "فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون" علمائے کرام ہی سے اپنے اسقام و خامیوں کی اصلاح چاہتا ہوں۔

آغاز مقصود: حدیث مذکور کی شرح دو ہی طرح کیجاتی ہے۔

(۱) علمائے حق "شکر اللہ مساعیہم" نے جو کچھ اس کی شرح میں فرمایا ہے اسکا خلاصہ حسب ذیل ہے "رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ سے قبل جمیع انبیا علیہم السلام، خواہ وہ بہت متقدم ہوں مثل حضرات سیدنا آدم ونوح علیہما السلام یا کچھ متاخر ہوں مثل حضرات سیدنا موسیٰ وداؤد علیہما السلام، جسقدر بھی علوم متعلق نبوت کے حامل تھے۔ جتنے ذرائع تبلیغ وموعظت اور وسائل تاثیر وترغیب الی اللہ کے مالک تھے غرض منصب نبوت ودرجہ رسالت سے متعلق اور اس کے مناسب شان جو کچھ اور جتنا کچھ ان سب حضرات کو علیحدہ علیحدہ ملا ان سب کا مجموعہ مجھکو عطا ہوا ہے۔ وہ حضرات چونکہ الگ الگ امتوں اور محدود خطوں کیلئے مبعوث ہوئے تھے اس لئے ان کو الگ الگ علوم وکمالات عطا کئے گئے تھے۔ میں چونکہ ختم النبیین ہوں اور مرتبہ "لانبی بعدی" پر فائز۔ اسلئے گذشتہ انبیا علیہم السلام کے تمام علوم نبوت (مع شئی زائد) مجھے عطا ہوئے ہیں۔

(۲) ایک دوسری جماعت (جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جمیع غیوب کا علم ثابت کرتی ہے) اسکی مدعی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں محمل اول کے علاوہ اسطرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ مجھے حقتعالیٰ نے علم کلّی یا علم جمیع ماکان وما یکون" عطا فرمایا ہے میں اپنی ذات سے محمل اول ہی کا قائل ہوں مگر "علم الاولین والآخرین" کے عموم واطلاق سے ایک تیسرے محمل کی طرف میرا ذہن گیا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ آخر اولین وآخرین کے وہ علوم کیا تھے؟ اسمیں تو ذرا بھی شک نہیں کہ وہ علوم وحی ایزدی ہی سے مستفاد ہوتے تھے اور اس کے ماننے میں بھی کسی قسم کا تامل نہیں کہ ان علوم میں .... کسی قسم کی دنارت وخساست، ذلت ورذالت کا ادنےٰ شبہہ تو کیا وہم بلکہ شائبہ وہم بھی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ وہ علوم انبیا جیسے پاک نفوس، معصوم ہستیوں اور ذی شرف بزرگوں کو حاصل تھے۔ مگر کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد اُن علوم سے بھی ہے جیسے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو کاشتکاری وغیرہ کے متعلق وحی ہونا مشہور ہے؟ یہی سوال اور خیال "بنیاد" بلکہ اصل کنجی ہے اُس محمل عجیب اور ربط لطیف کی۔ جسے میں صفحات آئندہ میں ڈرتے ڈرتے پیش کرنے کی جرأت کرونگا۔ بہر حال میرا ذہن چند مختلف مدارج ومراحل طے کرنیکے بعد اور چند درمیانی سوالات کے حل کرنیکے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ:۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جمیع انبیائے ماقبل علیہم السلام کو جتنے

اور جس قسم کے علوم عطا ہوئے وہ مجھے بھی عطا فرمائے گئے ہیں"

ذیل میں میں اپنے ان تمام خیالات کو مرتب شکل میں پیش کرتا ہوں۔ بعض مقامات پر اہل علم حضرات کو تطویل ممکن ہے ناگوار گزرے کیونکہ اُن کو اس بحث کا ایک جملہ بھی کافی ہو سکتا تھا مگر عام اذہان کو مقصود تک پہونچانے کیلئے بعض طوالت ناگزیر تھی۔ اسی طرح بعض جگہ بعض امور کی تکرار سے بھی چارہ نہ تھا اور چونکہ مضمون۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ نیا اور عجیب ہے اسلئے بعض جگہ کچھ تاویل بھی کرنی پڑی ہے جس کو میں اپنی ناقص فہم اور محدود علم ہی سے حاصل کر سکا [ممکن ہے اہل علم کے نزدیک اس سے بہتر اور مقصود سے قریب تر تاویلات بھی ہوں] اصل مقصود مجھے تو اپنے اس نتیجہ کاوش کو عرض کرنا ہی بقیہ تطویل یا تو مقصود کا موقوف علیہ ہے یا دفع دخلِ مقدر۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے بیجا تاویل سے بچائے۔ خود گمراہ ہونے اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بننے سے بچائے۔ مجھے میری غلطی معلوم و محسوس کرائے اور اس سے اجتناب (یا توبہ) کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(تنبیہ) واضح ہو کہ اس مضمون میں جا بجا "مادہ" کا لفظ آیا ہے تو اس سے مراد فلاسفۂ مادیین کا موضوع فلسفہ نہیں ہے۔

مادہ کی ابتدا۔ ضرورت اور تدریجی ترقی کیصورت

اللہ تعالیٰ نے جس وقت انسانِ اوّل (آدم علیہ السلام) کو اس عالم میں بھیجا ہوگا ان کو فطری طور پر اپنے مادی جسم کے حوائج اور لوازم کی فکر ہوئی ہوگی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے اپنی جسمانی ضروریات اور فطری حوائج کی طرف مضطر ہوتا ہے۔ بھوک پیاس۔ نیند بیداری۔ پیشاب۔ پاخانہ اسکے اولین حوائج ہیں اور دوسرا تکفیل ہوتا ہے پھر جس وقت تک بچہ کا کافی نشو و نما نہیں ہو لیتا اسوقت تک اسپر عقل و دانائی کا بار نہیں ڈالا جاتا۔ دنیا میں بچہ کی پیدائش اور بچپن کے یہ حالات اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ انسان مرکب ہے دو اجزا سے ایک روح دوسرے جسم۔ پہلا جز وجوہر اور علوی الاصل ہے غیر مرئی اور غیر محسوس ہے۔ اور گو وہ تدبیر جسم کے لئے ناگزیر ہے مگر اس کے نمایاں آثار و علائم مثلاً افعال و خواص کافی نشو و نما کے بعد محسوس ہوتے ہیں۔ دوسرا جز و مادی اور سفلی الاصل ہے مرئی و محسوس ہے اور گو وہ روح کا تابع اور خادم ہے مگر ابتدا میں بچہ صرف مادہ اور جسم ہی رہتا ہے اسکو مادی جسم کی نشو و نما کے لئے پہلے بظاہر صرف مادی غذا وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے پھر بڑے ہونیکے بعد اس کو عقل کی غذا اور اسکی اصلاح کیضرورت پیش آتی ہے۔ بھیاب اسی اصول پر عقل کا تقاضا ہے کہ انسان اول علیہ السلام کو دنیا میں بھیجکر حقتعالیٰ نے لئے اسی وقت شریعت یعنی روحانی اصلاح کے قواعد

مکمل طور پر نازل نہ کئے ہوگئے۔ انسان پہلے جسم ہے پھر روح اسلئے پہلے مادی جسم کی مادی غذا مہیا کرنا قدرت نے سکھلایا ہوگا پھر جب اور جتنے ہزار برسوں میں انسان کی نشو و نما ہوچکی ہوگی اسوقت "روحانیت" کا بار اسکے ذمہ قدرت نے ڈالا ہوگا۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ ایک اشارہ غیبی اور الہام فطری کے ماتحت جان لیتا ہے کہ میری غذا میری ماں کے سینہ میں چھپی ہوئی ہے ٹھیک اسیطرح بجز اسی اشارہ فطری کے (جسکا اصطلاحی نام وحی ہے) انسان اول علیہ السلام بھی کیسطرح ازخود نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یہ مسکین زمین جو اس بیچارگی سے پیروں تلے بچھی پڑی ہے اپنے سینہ میں کتنی نباتی غذائیں اور کتنے جمادی خزانے چھپائے بیٹھی ہے [کیا عجب ہے کہ عالم کی بعض قدیم قوموں میں زمین کے لئے اسی بنا پر "دھرتی ماتا" کا تشبیہی انداز بیان رائج ہوگیا ہو] ان کے سامنے نیلا آسمان پھیلی زمین۔ روشن سورج۔ چمکتا چاند بہتے دریا۔ لہکتے درخت ضرور موجود ہوگئے مگر یہ وہ کیونکر ازخود جان سکتے تھے کہ ان چیزوں کو کیونکر کام میں لایا جاسکتا ہے اور پھر یہ چیزیں جو اسوقت مفرد اور اکیلی نظر آرہی ہیں کسقدر اشیاء کو پیدا کرنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ کسی بڑے شہنشاہ کے قیمتی خزانے مقفل ہوں اور آپ کسی ایسے شخص کو وہاں لا کھڑا کیجئے! جس نے نہ کبھی کمرے اور پختہ مکان دیکھے ہوں اور نہ وہ قفل کنجی کے طلسم سے واقف ہو تو جسطرح خود شہنشاہ ہی کی ہدایت و اطلاع۔ شفقت و اعانت کے بغیر ایسے شخص کو ان خزانوں کا۔ قفلوں کے کھولنے کا اور ان کے اندر کی اشیاء کے برتنے کا علم ہونا ممکن نہیں اسیطرح عقلاً محال ہے کہ انسان اول علیہ السلام کو بغیر حقتعالی کے وحی و الہام کے کسی چیز کے وجود اور اوس کے برتنے کا علم ہوسکا ہو۔ بہر حال چونکہ پہلی ضرورت خوراک کی رہی ہوگی۔ اس لئے یقیناً انسان اول علیہ السلام نے وحی خداوندی کے ذریعہ زمین کی نباتی غذا حاصل کی ہوگی۔ غالباً پھل وغیرہ سے پھر بتدریج کچے غلہ سے پھر غلہ بھونکر پکاکر۔ پھر غالباً ہل چلانا معلوم ہوا ہوگا والعلم عند اللہ۔

مگر انسان کی ضروریات زندگی صرف کھانے ہی تک تو محدود نہیں۔ اسکو بارش اور دھوپ سے بچنے کیلئے مکان۔ گرمی سردی سے محفوظ رہنے کیلئے کپڑے۔ تاپنے اور پکانے کے لئے آگ۔ موذی جانوروں کے دفعیہ کے لئے اوزار بھی درکار تھے پھر بیماریوں کیلئے دوا اور مرنیوالوں کی لاشوں کا کوئی انتظام بھی لازمی تھا۔ وغیرہ وغیرہ اور حوائج کا احاطہ کہاں تک کیا جائے۔ اس لئے جب جب اور جیسے جیسے فطری حوائج اور ضروریات زندگی نے "کھانے" سے قدم آگے بڑھائے ہونگے اسوقت ضرورت کو پورا کرنیوالے خدا نے برابر وحی سے دستگیری کی ہوگی اور انسان

ضرورت کے مطابق امر وحی آسمانی کے ماتحت مکانوں کو درختوں کے سایے اور پہاڑوں کے غاروں سے منتقل کرکے کھلے میدانوں میں لایا ہوگا اور جھونپڑی وغیرہ اسنے بنائی ہونگی پھر لباس کا کام اُسی اشارۂ غیبی کے ذریعہ اس نے غالباً پتوں سے لیا ہوگا پھر رفتہ رفتہ اُون۔ پھر روئی سے بدن ڈھانکنا اُسے وحی سے معلوم ہوا ہوگا۔ آگ کا کام اسی وحی کی تعلیم سے پہلے شاید سورج سے پھر گرنے والی بجلیوں سے جلی ہوئی لکڑیوں سے لیا ہوگا پھر پتھروں کی رگڑ سے پیدا ہونیوالی چنگاریوں سے پھر رفتہ رفتہ روئی وغیرہ جلاکر حاصل کیا ہوگا اسی طرح اوزار یا برتن وغیرہ کے لئے اسی وحی کی تعلیم سے غالباً پہلے درختوں کی ٹہنیاں تھے۔ پھر خشک لکڑ یا پھر پتھر پھر لوہا بتدریج کام میں لائے ہونگے۔ اسیطرح مجملاً تمام حوائج کا حال سمجھ لیجئے ورنہ حوائج کا احاطہ اور اُس کے متعلق تفصیلی بیان کہاں ممکن ہے۔

عالم کے تمدن اور ارتقا میں گزشتہ تمام اقوام عالم کی مثال ایسی سمجھیے جیسی مختلف ادوار حیات میں ایک بچہ کی حیثیت۔ پہلے اس کے قویٰ ناقص اور عقل محدود ہوتی ہے اس لئے اس کے حوائج بھی کم ہوتے ہیں اور ماں اس کی دایہ گری کرتی ہے لیکن جیسے جیسے اس کے عقل و شعور میں اضافہ اور اُسکے قویٰ میں ترقی ہوتی ہے ویسے ویسے ایک طرف ماں کی دایہ گری اور کفالت میں کمی ہوتی جاتی ہے اور دوسری طرف اسکے حوائج واقعیہ میں اضافہ اور پھر رفتہ رفتہ حوائج کے ساتھ تفریح کا بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے ٹھیک اسیطرح پہلے تو انسان کی حوائج واقعیہ کم تھیں اور جتنی تھیں ان میں قدرت کی "دایہ گری" اور کفالت لازمی تھی جو ہوئی۔ پھر جب انسان کا تمدنی مزاج قوی ہوتا گیا اور وہ پچھلی حاصل شدہ اشیا کو برت کرنا کافی سمجھنے لگا تو رفتہ رفتہ مختلف اقوام کی کوششوں سے اور ہزارہا سال کی مدت میں اصلی حوائج کی گنجایش کے بعد آسایش کی پھر آرائش کی پھر نمایش کی چیزیں دنیا میں ظاہر ہوتی رہیں۔ اسی بات کو علم تاریخ نہایت ناقص اور بھونڈے انداز بیان میں اسطرح ادا کرتا ہے کہ "انسان کے اوپر تمدنی لحاظ سے مختلف زمانے گزرے ہیں پہلے وحشت و جہالت کا دور جسمیں وہ دیگر جانوروں سے شاید جسمانی ساخت میں تو ضرور ممتاز تھا ورنہ ہر طرح سے جانوروں کیطرح تھا پھر اسپر لکڑی کا زمانہ آیا یعنی اپنے ضروری برتن اوزار وغیرہ لکڑی سے بنانے لگا پھر اسپر پتھر کا زمانہ آیا پھر اسپر لوہے کا زمانہ آیا اور رفتہ رفتہ کائنات کے مادی خزانے لوگوں کو دریافت ہوتے رہے اور عالم کا تمدن ایک ایک قدم آگے بڑھتا رہا وغیرہ" علم تاریخ میں ان اشیاء کے ظہور و دریافت کا ذکر اسی معمولی انداز سے کیا گیا ہے اور پڑھنے والا ان واقعات کو اسطرح پڑھتا ہے کہ بخت و اتفاق سے بات آگے نہیں بڑھتی۔ جیسے الف لیلہ۔ بس

علی بابا کو چالیس چوروں کا خزانہ مل گیا تھا حالانکہ نقل کو علیحدہ بھی رکھئے تب بھی عقل کا فتویٰ ہی کہ ہر شے کے ظہور ابتدائی
میں تو یقیناً اور حتماً، دنیا اس خدائے واحد کی الہامی اعانت اور کسی نہ کسی پیغمبر کی وساطت کی محتاج ضرور ہی ہوگی جیسا کہ
دلائل و نظائر سے واضح ہو چکا ہے۔

اس عقلی استدلال کی تائید میں سیر کی وہ مشہور روایت بھی ملاحظہ کیجئے جسکا خلاصہ یہ ہی:- انبیائے سابقین علی نبینا
وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی شرائع کی حقیقت یہ ہوتی تھی کہ کچھ (شاید نصف) احکام شریعت تو حسب ضرورت لوازم حیات
اور حوائج تمدن کی تلاش و دریافت و استعمال کی تعلیم کے بارہ میں ہوتے تھے اور کچھ (بقیہ نصف) احکام حسب استعداد
قوم و زمانہ توحید و رسالت و معاد کے عقائد اور عبادات و معاملات وغیرہ (یعنی دین اسلام جو خدا کا ازلی دین ہے)
کے متعلق ہوتے تھے۔ وحی سے لوازم حیات دنیوی بھی معلوم ہوتے تھے اور وحی ہی سے لوازم نجاتِ اخروی بھی معلوم
ہوتے تھے۔

۲- انبیا کا لا انتہا ہونا

مگر یہاں پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہی کہ بے انتہا اشیاء کو دیکھ کر لازم آتا ہی کہ انبیا بھی بے انتہا ہوں
اسکا جواب عقلی تو وہی ہے جو پہلی بحث کے ضمن میں گزر چکا ہی جسکا حاصل یہ ہی کہ حسب ضرورتِ حیات
اور موافق حاجاتِ تمدن، ہر زمانہ میں ایسے محسن عالم افراد گزرے ہیں جن میں سے ایک نے پھل کھانا۔ دوسرے نے اُگے غلہ کو
پکانا۔ تیسرے نے غلہ بونا جوتنا۔ چوتھے نے پکانا وحی سے معلوم کیا اور دنیا کو بتایا کسی نے پتھر کو دھار دار بنایا اور
اُس سے آلات و اوزار بنائے کسی نے بحکم ایزدی لوہا نرم کرنیکا طریقہ سیکھ کر لوگوں کو سکھایا اور اس کو مختلف طریقوں
سے برتا کسی نے روئی نکالنا معلوم کیا اور اُس کو کاتا بُنا کسی کے عہد میں سمندر سے موتی نکالے گئے۔ کسی نے کشتی
بنا کر دریا میں غرق ہونے سے بچنے کی تدبیر بہ وحی ایزدی نکالی۔ کسی عہد میں آگ باقی رکھنے کا طریقہ دریافت ہوا وغیرہ وغیرہ
یہانتک کہ آج سنہ ۱۹۳۸ء بعد مسیح کی دنیا اسقدر اجناس و اشیا اور اس درجہ کے تمدن و تانق سے آراستہ ہو گئی کہ اسکا
بیان تحصیل حاصل ہے۔ اور ظاہر ہی کہ اسکے لئے لاکھوں ہی بزرگوں کی حاجت پڑی ہوگی۔ لیکن سلیم طبائع کی تسکین محض عقل
سے نہیں ہوتی اور نہ ہونا چاہیئے ہاں نقل بھی اگر صریح تائید کرے تو اس کے ماننے میں اُسے تامل نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہیے
تو سنئے سیر کی ایک مشہور روایت ہی کہ دنیا میں حقتعالیٰ نے [مختلف زمانوں میں۔ مختلف ملکوں میں] ایک لاکھ چوبیس ہزار
پیغمبر بھیجے۔ یہ حدیث ممکن ہے روایۃً محدثین کے نزدیک مخدوش ہو اور ان کے مصطلحہ اصول و مقررہ معیار پر پوری

نہ اترتی ہو مگر درایۃً خصوصاً اس بحث میں اسکا صحیح اور قریب قیاس ہونا ذرا بھی مشتبہ نہیں رہتا۔ اس تعداد کثیرہ انبیا کا راز اس جگہ مثل روز روشن معلوم ہو جاتا ہی کہ یہ آج کی خوبصورت اور متمدن دنیا ان تمام مادی اشیا کے ساتھ ایک دن میں نہیں بنگئی یہ آج کی عروس عالم کو ان تمام زیورات اور آرائشات سے سنوارنا ایک آدمی کا کام نہیں تھا اور ایک دن کا کام نہیں تہا بلکہ اس کی آرائش میں ایک لاکھ چوبیس ہزار مقدس روحانی بزرگوں نے مع اپنی قوموں کے حصہ لیا ہی۔ اور ہزاروں بلکہ لاکھوں برس کی مدت اسمیں صرف ہوئی۔ اور بسیط ارض کے کونہ کونہ سے چیزیں تلاش کیگئیں۔ پانی کا سینہ چیرا گیا خاک کا کلیجہ پھاڑا گیا۔ ہوا کا دامن جھاڑا گیا۔ آگ کی زلفیں چھان ڈالی گئیں اسطرح اسباب آرائش کا ریزہ ریزہ تنکا تنکا چن کر اسکو سجایا گیا تب کہیں جاکر اس کو یہ سج دھج اور بناؤ سنگھار نصیب ہوا ہی۔

لیکن یہاں پہونچکر ایک اہم شبہہ پیدا ہوتا ہی وہ یہ کہ اس سے تو لازم آتا ہی کہ (نعوذ باللہ) ہر جدید شے کے موجد کو ہم پیغمبر مانیں مگر

۲۔ کیا ہر شے کا موجد نبی تھا؟

اس کا جواب موقوف ہی دو تمہیدوں کے سمجھ لینے پر (تمہید اوّل) ہر نبی کی مثال بلا تشبیہ آفتاب کی سی ہوتی ہے۔ آفتاب کا پرتو جہاں پڑ رہا ہو وہاں تو برکات یعنی روشنی اور گرمی پہونچ ہی رہے ہیں سوال یہ ہے کہ جو شخص صحن میدان میں آفتاب کے مقابل نہ آئے اور کوٹھری میں بیٹھا ہو کیا وہ آفتاب کی برکتوں سے محروم رہیگا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کوٹھری والا شخص خواہ آفتاب کو برا کہتا ہو خواہ اسکی روشنی اسکے موافق مزاج نہو پھر خواہ اُسے آفتاب کے طلوع کیطرف ذہناً التفات بھی نہ ہو مگر آفتاب کی روشنی کا عکس اس کوٹھری میں بھی اتنا کافی پہونچتا رہتا ہے کہ وہ باطمینان لکھ پڑھ سکتا ہی۔ سی پرو سکتا ہی۔ چیزیں تلاش کرسکتا ہی الغرض صحن و میدان میں آفتاب کی برکات خصوصی اور بلا واسطہ ہوتی ہیں مگر کوٹھریوں میں بھی اُسی کی برکات عمومی اور فیضان رہتا ہی۔ یہی حال نبی کا ہوتا ہے وہ اپنی امت میں اور اپنے زمانہ نبوت میں (جو ان کے زمانہ بعثت سے لیکر نہ صرف ان کے انتقال تک رہتا ہے بلکہ در اصل زمانہ فطرت کے ختم تک رہتا ہے تا آنکہ دوسرا نبی مبعوث ہوتا ہے) خدا کی رحمت اور دنیوی و اخروی برکات کا مخزن ہوتا ہی۔ اُس اُمت میں اور اُس حدود ملک میں اور اُس زمانہ میں جسمیں وہ نبی مبعوث ہوتا ہی سعیدوں کو تو اسکی تعلیمات سے بلا واسطہ فیضان خاص پہونچتا ہی ہے مگر بدقسمتوں کو بھی جو کچھ ذہنی دماغی فوائد حاصل ہوئے وہ بھی اُسی کی برکت عمومی کے صدقہ ہیں گو وہ اس نبی کا منکر ہو۔ دستکاری

صنائع - اکتشاف - اختراع وغیرہ سب اُسی کے طفیل میں قوم کو ملتی ہیں پھر سعید روحیں امتِ اجابت کہلائیں کہ انھوں نے اس نبی کا اعتراف کیا اور ان کو اپنا محسن مان بھی لیا۔ شقی روحیں امتِ دعوت ٹھہریں کہ اُس نبی نے اُن کے سامنے دعوت پیش کی تھی ماننا نہ ماننا ان کا فعل تھا۔ سعید روحیں دین و دنیا کے فوائد سے بہرہ مند ہوئیں۔ شقی روحیں خساست طبعی کے باعث صرف اس خسیس دنیا ہی کے برکات حاصل کر سکیں۔ اقبال ؎ تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا + ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا + غالب ع توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے + غرض ہر نبی اپنی امت کیلئے رحمت ہوتا ہے اور ہمارے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین تھے

(تمہید ثانی) ایک تو ہوتا ہی ایجاد و اظہار کا درجہ اور ایک ہوتا ہی تنوع اور اختراع کا درجہ۔ یہاں ایجاد سے مراد وہ نہیں ہی جو حقتعالی کی صفتِ وحیدہ ہی یعنی پیدا کرنا اور عدم سے وجود میں لانا۔ بلکہ یہاں مراد ظہور اکتشاف و دریافت ہی [اس ظہور و ایجاد کو بہ الفاظ دیگر اساس - اصول و کلیات اور نقش اول سمجھ لیجئے اور اختراع کو عمارت - فروع و جزئیات اور نقش ثانی کہہ لیجئے۔ فرض کیجے ایک شخص ایلومنیم کی دھات پہلے پہل دریافت کرتا ہی اور اس کی نوعیت وغیرہ پر غور کر کے وہ ایک گلاس بنا کر مر جاتا ہی۔ یہ تو ہوا ایجاد۔ اکتشاف دریافت۔ اساس۔ نقش اول۔ پھر دوسرا کاریگر اٹھتا ہی اور وہ گلاس کے علاوہ دیگچی اور دیگر ظروف بناتا ہی پھر تیسرا کاریگر اس دھات میں بعض اور اجزا و اشیاء کی ترکیب دیکر متعدد و متنوع اشیاء تیار کرتا ہی اب یہ دوسرے اور تیسرے کاریگر کی تیار کردہ ایجاد نہیں ہے بلکہ اساس پر عمارت۔ نقش اول کو دیکھکر نقش ثانی۔ اصول و کلیات سے فروع و جزئیات اور ایجاد و اکتشاف میں تنوع و اختراع ہی ان دونوں تمہیدوں کے پیش نظر اب سمجھئے کہ میرے خیال میں انبیاء علیہم السلام نے بنیادی اور نئی چیزوں کو تو وحی الٰہی سے جانا پھر کبھی اُسی مفرد چیز کو دنیا کو بتایا اور کبھی اس کو خود ترکیب دیکر دکھا بھی دیا۔ غرض بنیادی مفرد اشیا کا علم و حصول اور اسکے طریقِ استعمال و اظہار خواص تو بجز نبی کے کوئی دوسرا از خود جان ہی نہیں سکتا تھا [جیسا بحث اول میں ہم دکھا چکے ہیں] پھر اب اُسی نبی کی برکات خصوصی کی بدولت صرف اسکی امت اجابت نے یا اسکی برکات عمومی کے طفیل میں اسکی امت دعوت نے بھی اُس دریافت میں تنوع کرنا شروع کیا اور قبل کی دریافت شدہ اشیاء کو موجودہ چیز سے ترکیب دے دیکر دوسری اشیاء بنائیں۔ پھر یہ عمل اس نبی کی زندگی میں ہوتا رہا اور زمانۂ فترت میں بھی اسی کی برکت سے صناع پیدا ہوتے رہے۔ اور صنعتیں نئی نئی بروئے کار آتی رہیں اسی کی

برکتوں سے فنوں بڑھتے رہے اور فنی الہامات ہوتے رہے مشق و مزاولت اور شغل و انہماک کے برکات ملتے رہے جسکا نام ناواقفوں نے "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" رکھا ہے۔ ع چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند +

۴۔ ظہور اشیاء میں انبیا کی وساطت کا ثبوت نقلی

یہ بحث بہت دلچسپ اور بڑی معرکۃ الآرا تھی مگر جسقدر معرکہ کی یہ بحث ہے اسی قدر علم اور وسعتِ نظر بھی چاہتی ہے جو مجھ میں مفقود ہے۔ ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شخص جو احادیث اور خصوصاً قرآن کے اشارات النص تک کا اداشناس ہو جسکو تفاسیر و کتب سیر پر کافی عبور ہو وہ اس بحث کو لکھتا تو البتہ استیجاب و استقصا کا کچھ حق ادا ہو جاتا اور اسوقت یہ بحث نہ صرف اس مضمون میں مفید ہوتی بلکہ وہ عام فن تاریخ کیلئے بڑے کام کی چیز ہوتی مگر اسوقت تو مجھی کو اپنے بیحد محدود علم اور اپنی انتہائی ناقص فہم پر اعتماد کرنا ہے تاکہ مضمون پورا ہو پھر اگر یہ بحث اصولاً جائز ہوا اور میرے کئے ہوئے اشارات و استدلالات صحیح ہوں تو شاید آئندہ کوئی لائق تر شخص اس تشنہ بحث کو مکمل کرے۔

اس بحث میں ایک بیچارگی سب سے پہلے سامنے آتی ہے اور اسکا اعتراف ازبس ضروری ہے وہ یہ کہ نہ تو اشیا (گو مفرد ہی سہی ان) کا احاطہ کیا جاسکتا ہے اور نہ انکی تاریخی ترتیب معلوم و بیان ہوسکتی ہے نہ کسی شے کے صحیح زمانہ کی تشخیص کی جاسکتی ہے اور نہ ہر شے کے ساتھ اسکے موجد کی صحیح تعیین ہوسکتی ہے! اور یہ اسلئے کہ خود قرآن کا [جو منزل من اللہ اور محفوظ ہونیکی وجہ سے اکیلا معتمد علیہ بن سکتا تھا] یہ موضوع بحث نہیں کہ وہ تاریخی احوال کی تفصیل۔ تاریخی ازمنہ و اشیاء کی تشخیص اور تاریخی اشخاص کی تعیین کرے۔ روحانیت کے صحیفہ میں مادیت کی تاریخ کیوں بیان ہوتی۔ سعادتِ روحانی میں [جو قرآن کا اصل موضوع ہے] ان معلومات کو ادنےٰ دخل بھی نہ تھا۔ اسی لئے معدودے چند [۲۵ عدد] انبیا علیہم السلام کے علاوہ بقیہ کے تو نام بھی اس نے دنیا کو نہیں بتائے اور ان کو "من لم نقصص علیک" کے پردہ خفا ہی میں رکھا۔ پس جب قرآن ساکت ہوا اور تاریخ تہیدست تو ضروری تفصیل کا حصول معلوم! بہرحال قرآن کی مشعل لیکر اس بحر ظلمات میں قیاس سے کام لیتا ہوں خدا کرے مقصود کے آبحیات تک رسائی ہوجائے اور خدا مجھکو گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے سے بچائے۔ آمین

واللہ المعین

آیات	ترجمہ	غرض استشہاد
النا له الحدید ان اعمل سابغات (۱) (سبا رکوع ۲)	ہمنے ان (حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے) لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ	داؤد علیہ السلام کے ذریعہ حق تعالیٰ نے لوہا دنیا پر ظاہر کیا اور انھوں نے گرما اور نرما کر زرہیں وغیرہ بنائیں۔
(۲) اسلنا له عین القطر (سبا رکوع ۲)	ہمنے ان (حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے) تانبے کا چشمہ بہا دیا	حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعہ حقتعالیٰ نے تانبہ دنیا پر ظاہر کیا (جس سے لگن اور بڑے دیگ بنے جو دوسری آیت سے ظاہر ہوتا ہے)
(۳) اوحینا الیه ان اصنع الفلک باعیننا ووحینا (ہود رکوع ۴)	(اے نوح) تم ہماری نگرانی اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کر لو۔	حضرت نوح علیہ السلام نے بوحی ایزدی کشتی ایجاد کی باعیننا و وحینا کی تاکید و خصوصیت سے میری سمجھ میں یہی آتا ہے
(۴) والشیاطین کل بنّاء وغوّاص (ص ع ۳) یعملون له ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات (سبا ع ۲)	اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا عمارت بنانے والوں کو بھی اور غوطہ خوروں کو وہ جنات انکے لئے وہ وہ چیزیں بناتے جو انکو بنوانا منظور ہوتا بڑی عمارتیں مورتیں۔ لگن ایسے بڑے جیسے حوض اور بڑی بڑی دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں	حضرت سلیمان کے زمانہ میں انکی امت نے برکت آنجناب تیرنا سیکھا اور غوطہ لگاکر موتی نکالنا معلوم کیا اور تانبہ کو گلاکر دیگ وغیرہ بنائے
(۵) الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا (یٰس ع ۵)	وہ ایسا قادر ہے کہ بعض ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے۔	آج آگ جلانیکے بہترین اور انتہائی ترقی یافتہ اور متمدن طریقے دنیا کو معلوم ہو گئے ہیں ان کے سامنے البتہ اس آیت میں شبہات ہو سکتے ہیں اور انکی تاویل مختلف طور پر کیجا سکتی ہے مگر ایک ذرا تصور کی آنکھوں سے آگ کی اس موجد کی حالت کو دیکھیے جو آگ سلگانے اور اسکو باقی رکھنے کا متمنی ہوگا اور کوئی تدبیر نہ بن آتی ہوگی وہ ہری درختوں کو دیکھتا ہوگا مگر سمجھ نہ سکتا ہوگا کہ یہ ہرا درخت جسمیں تری ہی خشک ہو کر آگ بھی پکڑ سکتا ہے پھر جب آسمانی ہدایت سے اسکی یہ ضرورت زندگی ہرے درخت سے حل ہو گئی اسوقت اس کو قدر ہوئی ہوگی۔ اسی کو حقتعالیٰ غالبًا یاد دلاتے ہیں کہ خدا وہ ہے جس نے ہر درخت میں آگ پکڑنے کی بھی صلاحیت رکھی ہے۔ زمانہ دریافت نہیں معلوم۔

(۶) فاضربوا فوق الاعناق — سو تم گردنوں پر مارو اور
واضربو منہم کل بنان — ان کے پور پور کو
مارو
(انفال ع ۲)

یہ آیت رسول اکرم صلعم کو فنون حرب کی تعلیم کیطرف اشارہ کرتی ہے۔ اگرچہ یہ فنون آنحضرت صلعم سے قبل بھی تھے مگر میرے خیال میں اس آیت کی حیثیت معنوی ویسی ہی ہے جیسی آیت "فبہداہم اقتدہ" کی یعنی اس کے موجد و مکتشف جو نبی بھی رہے ہوں تم بھی مقابلہ اعداء کیلئے اسکا علم لازم جانو عـه

(۷) علمنا منطق الطیر (نمل ۲) ہم کو پرندوں کی بولی کی تعلیم دیگئی ہے

حضرت داؤد و سلیمان کا چڑیوں اور چرند پرندوں کی بولی سمجھنا بھی خدا کی قدرت سے بعید نہیں۔ ہمارا اسپر ایمان ہے مگر اسی کے ساتھ غالباً ان کا سدھانا وحی کیا جانا مراد ہو؟۔

آیات کا ترجمہ ہمنے حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے ترجمہ سے نقل کیا ہے

قرآن سے میں اس سے زیادہ کچھ نہ نکال سکا۔ مگر خارج قرآن سے چند باتیں اور جو مجھے معلوم ہیں عرض کرتا ہوں۔

(۸) حضرت آدم علیہ السلام کو حراثی (کاشتکاری) اور کپڑے یا لباس بنانا وحی کیا گیا اور یہ مضمون غالباً حدیث سے ثابت ہے۔

(۹) مشہور ہے کہ علم جفر اور رمل حضرت دانیال علیہ السلام کو وحی کئے گئے تھے۔

(۱۰) مشہور ہے کہ فن خیاطت کو حضرت ادریس علیہ السلام نے کیا تھا۔ کیا عجب ہے کہ اس شہرت سے مراد اسکا ان کو وحی کیا جانا ہی ہو۔

(۱۱) مولانا اشرف علی تھانوی دامت برکاتہم کے کسی وعظ میں میں نے پڑھا تھا کہ علم طبابت اور خواص الادویہ کسی نبی کو وحی سے عطا کیا گیا تھا۔

(۱۲) مردہ کو دفن کرنا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی برکت عمومی کے طفیل میں ان کے لڑکے قابیل کو ایک عجیب طریقہ سے بتلایا گیا۔

اس بحث کا خلاصہ یہ تھا کہ اب تک گزشتہ مباحث میں جو کچھ ہم عقلاً سمجھتے چلے آئے وہ محض عقل کی فریب کاری اور ذہن کی جودت۔ منطق کا طلسم ہی نہ تھا بلکہ نقل سے بھی ان مباحث کی فی الجملہ تائید ہوتی ہے (باقی)

عـه میں نے ایک بوڑھے سید صاحب سے ایک بار یہ سُنا کہ یہ آیت جب حضرت جبرئیل لیکر اترے تو آنحضرت کو عملی تعلیم بھی دی (جیسی اقراء کے نزول کے وقت وضو کرنا اور نماز پڑھانا عملاً ثابت ہے) پھر آنحضرت صلعم نے اپنے چند مخصوص صحابہ حضرات شیخین و خالد و علی رضی اللہ عنہم کو اسکی تعلیم دی اور وہی فن بنوٹ ہے جو آجتک مسلمانوں میں توارثاً چلا آتا ہے مجھے معلوم نہیں کہ اس روایت کی کچھ اصلیت بھی ہے یا نہیں اگر کوئی صاحب علم اس پر روشنی ڈالیں تو اچھا ہو ۱۲ منہ

علوم محمدیہ اور موجودہ ترقیاں

(گذشتہ سے پیوستہ)

علوم محمدیہ سے علم الاولین والآخرین کا تعلق اور ربط

یہ بحث اس مضمون کی آخری کڑی ہے اور یہی اصل مقصود بیان ہیں۔ باوجود اپنی علمی کم مائگی کے قیاسات و تاویلات کی جو پاپڑ اوپر بیلے گئے ہیں وہ سب اسی کے لئے تھے اگرچہ عنوانِ مضمون کی پابندی کرنے کے لئے مجھے علوم محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا صرف وہ حصہ دکھانا چاہیے جو تہذیب آفاق اور ترقی مادہ سے متعلق ہو مگر جی چاہتا ہے کہ کچھ وہ حصہ بھی عرض کردیا جائے جو تہذیب نفس اور ارتقاء روح سے تعلق رکھتا ہے تاکہ علوم الاولین والآخرین کے ہر حصہ کا بیان ایک حد تک ہو جائے۔ اگرچہ یہ بیان ایک بحر ناپیدا کنار ہے اور پھر بڑے بڑے عرفاء و علماء (رضی اللہ اتباعھم) جو کچھ لکھ گئے ہیں اس پر کچھ اضافہ کا وہم تو در کنار اس کے پاسنگ بھی میرا بیان نہیں پہنچ سکتا۔ نیز مضمون کافی طویل ہوگیا ہے اس پر مزید طوالت ناگوار اور بے کار ہوگی مگر کچھ تو حصول برکات کے لئے اور کچھ تدارک ہفوات کے خیال سے عرض کر ہی دینا ضروری ہے لیکن گھبرائیے نہیں یہ بیان حدیث عنوان سے ہٹکر نہ ہوگا۔

۱۔ حق تعالیٰ نے جب نوع انسان کو "خلیفۃ اللہ فی الارض" کے رشتہ سے اور "اشرف المخلوقات" کے لقب سے سرفراز فرمانا مقدر فرمایا اُسی وقت یہ بھی مقدر فرمایا کہ اس کو اسلام کا نصاب تعلیم پڑھایا جائے گا اور اس کے لئے یہ بات بھی متعین ہو چکی تھی کہ اس کو مکتب عالم میں مختلف درجوں کے ماہر معلم حضرات (علیہم السلام) سے مختلف اسباق پڑھوانے کے بعد مدرس اعلیٰ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے انتہائی کتابیں پڑھنے کے لئے بھیجا جائے گا۔ چونکہ نصاب تعلیم اول سے آخر تک ایک ہی سلسلہ تھا۔ اس لئے تمام اسباق میں باہمی ربط تھا۔ سب درجوں میں ایک لطیف تدریج تھی۔ اور اگرچہ کچھ معلم طلبہ کی فراموشکاری اور بے توجہی کے باعث صرف پچھلا سبق یاد رکھنے کی تاکید ہی کرنے والے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی بسا ضروری ہے لیکن عموماً ہر اگلا معلم طلبہ کو آگے ہی کا سبق دیتا تھا

اور اس لئے اس کو بذات خود بھی پچھلے اسباق پر عبور و مہارت حاصل رہنی ناگزیر تھی جو خدا کی جانب سے انہیں حاصل تھی، اسی سلسلہ کی آخری کڑی تھے ہمارے سردار آقائے دو عالم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے عقلاً ضروری تھا کہ آپ پچھلے تمام اسباق پر عبور کامل رکھتے اور واقعہ بھی یہی تھا کہ آپ علوم اولین و آخرین کے جامع اور شئی زائد کے حائل تھے اللھم صل وسلم علی من اوتی علم الاولین والاخرین [خلاصہ یہ ہے کہ سب انبیا علیہم السلام کا دین، اسلام تھا، حضرت ابراہیم کا "حنیف مسلم" ہونا حضرت سلیمان و بلقیس کا "اسلمت مع سلیمان" سے مذہب اسلام رکھنا قرآن سے ثابت ہے]

۲- پہلی بحث یعنی مادہ کی تدریج کے سلسلہ میں ہم نے کچھ اشارہ قدیم ابتدائی اقوام کی مذہبیت کا اور اس سے انحراف کا کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں سمجھئے کہ ہر نبی اپنی امت کی روحانی بیماریوں کا مناسب علاج بھی لیکر آتا تھا یعنی عباداتِ مالی وجسمانی کے احکام، معاملات و معاشرت کے احکام اسپر نازل ہوتے تھے مگر اس تنزیل احکام میں حکمت بالغہ خداوندی، اس امت وقوم کی استعداد ذہنی اور قوت روحانی کا پورا لحاظ رکھتی تھی۔ چنانچہ (کوئی تاریخی ترتیب یا استیعاب تو منظور نہیں مگر) کسی امت کی "سرکشی" کو دیکھ سجدہ اور نماز کی وحی اس زمانہ کے نبی کو کی گئی۔ کسی عہد میں زر پرستی کا زور دیکھا گیا ہو، اس عہد کے نبی کو صدقہ زکواۃ - انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم علمی و عملی کا حکم دیا گیا ہو کسی کے ذریعہ قربانی کے احکام نازل کئے گئے ہونگے کہ اس عہد کے لوگ اور بعد کے لوگ اس سنت پر عمل کریں غرض اس طور پر آج دین محمدی میں جو عبادات مثل نماز - روزہ - حج - زکات - جہاد - صدقہ - قربانی وغیرہ وغیرہ رائج ہیں، میرے خیال میں اسی حدیث مانحن فیہ کے اشارۃ النص سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عبادات گزشتہ انبیا علیہم السلام کے علوم اور فرادی فرادی عبادتیں تھیں جو مع شئی زائد وحسن فائق ہمارے آقائے نامدار سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی ہیں گو ہم کو آج تفصیل و تعیین کے ساتھ یہ نہ معلوم ہوسکے کہ کون کون سی عبادت کس کس نبی کو کن حالات میں وحی ہوئی۔ اللھم صل وسلم علی من اوتی علم الاولین والاخرین۔

۳- دنیا میں متعدد اقوام پیدا ہوئیں اور منٹیں ہزار ہا پیغمبروں کی تعلیم پھیلی اور بھلادی گئی بے شمار صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں اور ان کا صحیح متن اٹھالیا گیا لیکن حکمت بالغہ خداوندی کا تقاضا تھا کہ اگر کسی بعد کے زمانہ میں کوئی سعید روح کسی قوم و مذاہب کی اپنے یہاں کے مروج اعمال و رسوم و تعلیمات سے تسکین نہ پاکر اور بے چین ہوکر

اصل صحیح بے آمیزش تعلیم معلوم کرنا چاہے تو دنیا میں کسی ایک جگہ ایک نبی کے ذریعہ ایک تعلیم ایسی بھیجی جائے جو جامع التعالیم ہو ایک کتاب ایسی دیجائے جو جامع الصحف والکتب ہو۔ ایک ایسی ذات بھیجی جائے جو ذوات وصفات قدسیہ کا مجموعہ ہو۔ جس میں حسن یوسفؑ۔ دم عیسیٰؑ۔ ید بیضا بلکہ ہمہ خوباں کی ہمہ خوبیاں اس کے اندر یکجا موجود ہوں اور علمی و عملی طور پر موجود ہوں تاکہ جب وہ سعید روح اپنے ہی مذہب کی سہی مگر صحیح تعلیمات معلوم اور حاصل کرنا چاہے تو یہاں آکر دیکھ جائے گویا ایک قد آدم آئینہ ہو کہ جس کا جی چاہے اپنی صورت کا عیب و قبح اس کے اندر دیکھ کر معلوم کرے اور چہرے سے داغ دھبے چھڑائے۔ اللھم صل وسلم علی من اوتی علم الاولین والآخرین۔

۴۔ انسان مادہ بھی ہے اور روح بھی جیسا پہلی بحث میں گزر چکا اور اگرچہ ابتدا میں اسکی ظاہری اور نمایاں حوائج مادی جسم ہی سے متعلق ہوتی ہیں مگر دراصل یہ حوائج بالواسطہ روح ہی کی استعدادوں کو قوی کرنے اور ترقی دینے کے لئے ہوتی ہیں۔ مادی جسم کے حوائج دراصل روح ہی کے حوائج ہیں پھر حقتعالیٰ اسن بلوغ تک انسان کو بظاہر مادہ ہی مادہ رکھتا ہے روح کی استعدادوں کا ظہور بلوغ کے بعد سے ہوتا ہے یعنی بالغ انسان ہی کو حقتعالےٰ نے تمام شریعت کا مکلف ٹھہرایا ہے اور قبل بلوغ بھی اس کو شریعت سے آزاد نہیں چھوڑا ہے بلکہ بغیر تکلیف شرعی کے محض اس خیال سے کہ بلوغ کے بعد احکام شرع کا صدور سہولت سے ہو سکے کچھ کچھ اعمال نابالغوں کے ذمہ بھی رکھے گئے [چنانچہ "واضربوھم اذا بلغوا عشرًا" والی حدیث اسپر دال ہے] ٹھیک اسی طرح جب حق تعالیٰ کے علم میں نوع انسان کے بلوغ روحانی کا زمانہ آگیا اور عالم کے بچپن کا زمانہ گزر گیا تو اس کو شریعت کے احکام کا مکلف مانا گیا اب عالم کے لیے مادہ سے تلبس کا زمانہ گیا اب اسپر روحانیت کا دور آنا چاہیئے اب مادہ کا دور گیا اب روح کا دور ہے۔ اس لئے گزشتہ اقوام جو عبادات شرعی کرتی تھیں وہ عالم کی نابالغی کے زمانہ کی عبادتیں تھیں جو عالم کے بلوغ کے زمانہ کی عبادتوں کے مقابلہ میں ناقص تھیں۔ اسی کو حقتعالیٰ نے نہایت شاندار الفاظ میں آیہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" میں بیان فرمایا ہے۔ اکمال کہتے ہیں ناقص اور ادھوری چیز کی کمی اور نقص کو کچھ بڑھا کر پورا کر دینے کو۔ مطلب یہ کہ وہ دین اسلام جس کے جستہ جستہ فصول و ابواب ابتک کے انبیاء علیہم السلام لائے تھے گو وہ فی حد ذاتہ صحیح اور عالم کی اُس عمر کیلئے عین مناسب اور کامل تھے مگر ابھی ایک خاص زمانہ کے عالم کی عبادات کے مقابلہ میں [جو بعثت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں ہونیوالی تھی

ضرور کم اور ناقص تھی آج ہم اس کمی کو بھی پوری کئے دیتے ہیں۔ آج عالم بالغ ہو کر شریعت کاملہ کا مکلف بن گیا ہے رہ گیا اتمام تو اس کے دو معنے میری سمجھ میں آتے ہیں (۱) اتمام کو تمام اور تام کر دینا۔ اس صورت میں یہ بھی اکمال کا مترادف ہوگا جس کے متعلق ہم ابھی بیان کر چکے ہیں (۲) کسی کو کچھ دیتے وقت پوری ہی چیز دینا شے تام ہی عنایت کرنا۔ مطلب یہ کہ اب تک کے انبیا کو تو حکمۃً اس دین اسلام کے صرف الگ الگ حصے ہی دیئے گئے تھے آج اس نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عالم کے بلوغ کے مناسب ہم یکجا ایک پوری شریعت ہی دیتے ہیں۔ اللھم صل وسلم علی من اوتی علم الاولین والاخرین۔

اب ہم اپنے سابق مضمون کیطرف عود کرتے ہیں۔ ہم کو آخری بحث میں یہ دیکھنا ہے کہ علوم انبیا کا دوسرا جزو متعلق مادہ ہم کو اپنے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیمات اور حیات طیبہ میں کہاں ملے گا؟ دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ کہا جائے کہ وہ آپ کو عطا نہیں ہوئے اور یا یہ کہا جائے کہ وہ علوم بھی آپ کو عطا ہوئے اور پھر اس کو تلاش اور ثابت کیا جائے۔ اور میرا نظریہ اس حدیث عنوان کے ماتحت یہی ہے کہ اس نوع کے ضروری اور مناسب علوم بھی آپ کو عطا ہوئے اور وہی اس باب میں آخری اور مکمل علوم تھے:

ایک تاویل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک مبارک ارشاد ہے کہ بُعِثْتُ انا والساعۃ کہاتین یعنی میری بعثت اور قیامت کے آنے میں ایسا قرب ہے جیسے (دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا) یہ دونوں انگلیاں۔ مطلب یہ کہ اب میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہ آئے گا۔ یہ حدیث مسلّم ہے اب میں عرض کرتا ہوں کہ آئندہ کسی نبی کے نہ آنے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ حقتعالی عالم مادی کے متعلق جو اصولی معلومات دینا چاہتا تھا وہ بڑی حد تک رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل قبل دے چکا اب وہ دور مادیت گزر چکا اب قیامت قریب ہے جس میں یکسر روح و روحانیت کا دور دورہ ہوگا اس لئے عہد قرب قیامت و مابعد قیامت سے لطیف ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے قیامت سے قبل بھی روحانیت کا دور اس عالم میں ہونا چاہیے خزائن مادی چونکہ متعدد اور متنوع تھے اور بسیط ارض کے مختلف حصوں میں زمین کے اندر دبے پڑے تھے اس لئے اوس دور مادیت کے معلم بھی مختلف سرزمینوں سے اُٹھے مگر روح میں تنوع نہیں اس لئے اس روحانی دورہ کا ایک ہی معلم اسود و احمر انس و جن سب کے لئے کافی ہے

مادہ کے اثرات محدود اور وہ خود زمان ومکان کی قیدوں میں مقید رہتا ہے اس لئے اس کے دور کے معلم بھی محدود امتوں اور محدود زمانہ اور محدود حصۂ ملک کیلئے آتے رہے مگر روح کا دائرہ اثر بیحد وسیع ہے وہ زمان ومکان کی قیدوں سے بے نیاز ہے اس لئے اُس کے دور کا معلم بھی اپنے زمانہ سے لیکر قیامت تک کے لئے اور اپنے ملک و قوم کے ساتھ تمام عالم اور جملہ اقوام کے لئے ایک ہی ہے۔ المختصر مادہ کے متعلق اصول ومبادی کے علوم کا اکثر حصہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا کو دیا جاچکا تھا اور آپکی تعلیمات میں غالب عنصر تزکیہ روح واخلاق وعبادات کا تھا لیکن نہ رہبانیت وقطع علائق دنیا کے ساتھ بلکہ ساتھ ہی دنیا کو صحیح طور پر برتنے کا طریقہ بھی آپنے تعلیم فرمایا یہی وجہ ہے کہ بعثت محمدیہ کے قبل کی مادّی ترقیوں میں اور بعد کی مادی ترقیوں میں بیّن تفاوت اور نمایاں فرق ہے۔ آجکل کی ترقیوں کی نوعیت پر اگر آپ غائر نظر ڈالینگے تو آپ کو ان کا اکثری خلاصہ[1] یہی نظر آئیگا کہ :- (۱) گزشتہ دریافت شدہ مواد میں تصرف (۲) قدیم مفردات سے مرکبات کی ساخت (۳) پچھلی مادی اشیاء کے نمونوں میں تنوع واختراع (۴) مخصوص طبقہ[2] والوں کے فنون کی اشاعت عمومی (۵) تفریحی اشیاء کی بہتات وافراط (۶) ضروریات زندگی کا حل نہیں بلکہ انمیں سہولت[3] کے ذرائع (۷) ساخت اشیاء میں

---

[1] عہد حاضر کی مادی ترقیوں کی بابت میرا قطعی خیال ہے کہ یہ نام نہاد "ترقیاں" عالم میں وہ حیثیت ہرگز نہیں رکھتیں جو لوہے کی دریافت اور کشتی کے ذریعہ دریا عبور کرنے کے علم وغیرہ کی حیثیت تھی۔ میرا خیال ہے جو شاید ہی غلط ہو کہ آجکی کسی چیز کی بابت یہ دعویٰ کرنا غلط ہوگا کہ وہ دنیا میں ایجادی اکتشاف اور اولین بنیادی دریافت ہے اور وہ دنیا کے لیے ویسی ہی مفید نعمت اور واقعی حاجت کی چیز ہے جیسی گزشتہ اقوام کی بنیادی دریافتیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان ترقیوں کی بابت ہم ماضیت اور قدامت کے تاریک سیاہ پردوں کے حائل ہونے کی وجہ سے نیز تاریخ کی کم مائگی کے سبب یا اپنی محدود نظر اور کم علمی کے باعث یہ نہ بتاسکیں کہ یہ چیز" ماضی کی کس شے کی نقل ہے۔

[2] یہ پوری بحث بھی بڑی وسعت نظر چاہتی ہے جو مجھ میں مفقود ہے مثال کے لئے ایک چیز کی طرف اشارہ کرتا ہوں علم الکیمیا وکیمسٹری جسے آج ایک اسکولی لڑکا بھی جانتا ہے پہلے دواسازی وغیرہ کے کام آتا تھا اور ایک مخصوص طبقہ میں محدود تھا عوام کی دسترس سے دور، اگر اس کے کرشمے کبھی کسی نے غیر کو دکھائے بھی تو اس نے تعجب سے اسے سحر وجادو سمجھا چنانچہ "طب" کے معنی ہی جادو کے ہیں۔ خیر عوام تو علاوہ طبقہ جو اپنے کو "تلامیذ الرحمٰن" کے نام سے موسوم کرتا ہے یعنی شاعر اسنے کبھی کچھ دیکھ لیا تو اس نے اسکا مطلب صرف یہ سمجھا کہ تانبے پیتل کو چاندی سونا بنادینے کو کیمیا کہتے ہیں اور وہ اسی کا وظیفہ لوگوں کو سنانے بیٹھ گیا "کہ خام بود مس من تو کیمیا کردی" - ابن مقنع نخشبی عالم کیمیا ہی تھا جسنے بارہ میل تک روشنی پھینکنے والا کوئی آلہ بنایا تھا اور اسنے زیرزمیں ایک نہ خاتم عمل کیمیاوی کیلئے بنوایا تھا۔ قوم کا فرض تھا کہ اسکی اور اسکے امثال کی سوانح کو طاق نسیان پر نہ پہنچنے دیتی مگر نتیجہ کیا ہوا کہ ایک تلمیذ الرحمٰن صاحب اسکی بابت صرف اس نظر سے دیکھ سکتے ہیں کہ ؎ چھوڑا مہِ نخشب کیطرح دست قضا نے + خورشید ابھی اسکی برابر نہ ہوا تھا + اب ہماری ادبیات میں اسکا وہ بارہ میل روشنی پھینکنے والا آلہ ایک چاند ہے اور اسکا وہ معمل کیمیاوی ایک اندھا چاہ اور کنواں۔ حالانکہ یورپ والے ہوتے تو گیس کا موجد، محسن عالم وغیرہ وغیرہ القاب وخطابات دے دیکر کان کے پردے پھاڑ ڈالتے ۱۲۔

[3] یعنی مشینوں کی ایجاد۔ وقت تو ضرور بچاتی ہیں مگر دام زیادہ خرچ کراتی ہیں اور موجودہ شکایت بیکاری کی مصیبت دنیا پر لانیکی تنہا ملزم وہی ہیں۔

حسن و لطافت کا اظہار وغیرہ وغیرہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو اب کسی بنیادی اور بالکل نئی شے کا اظہار مقصود نہیں۔ موجودہ ترقیوں کا مذکورۂ بالا خلاصہ اگر صحیح ہے تو خود ان ترقیوں کی عام رفتار اور معنوی رجحان ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مادیت کی روح ہے اور یہ زمانہ مادی ترقیوں کی روحانیت کا زمانہ ہے۔ رہا یہ شبہ کہ ہم کو تو آجکی موجودہ ترقیاں زیادہ اہم زیادہ دلکش اور زیادہ بہتر و نفیس معلوم ہوتی ہیں بمقابلہ قدیم ترقیوں کے تو یاد رہے کہ یہ صرف نقش ثانی ہونیکی رونق ہے اور محض تنوع کا فریب ہے کیونکہ نقش ثانی ہمیشہ نقش اول کے مقابلہ میں زیادہ جاذب نظر ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب ہم تاریخ دیکھتے ہیں تو تاریخ میں ہم کو نظر آتا ہے کہ بعثت محمدیہ کے بعد دنیا نے مادی ترقیاں صرف دو عہدوں میں کی ہیں ایک تو مسلمانوں نے اس زمانہ میں کیں جب اُن کا ستارۂ اقبال عروج پر تھا جب ان کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا [واضح ہو کہ یہ جملہ دراصل اسلامی سلطنت کے لئے کسی شاعر نے پہلے پہل کہا تھا۔ مجھے نام اور زمانہ یاد نہیں رہا۔ انگریزوں نے علم و اقبال مسلمانوں سے لیتے وقت یہ وصفی جملہ بھی لے لیا اور اس صورہ کو اب کچھ اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ اس شور و غل میں خود ہم مسلمانوں سے ہمارے ذہنوں کی باتیں فراموش ہو گئیں] دوسرے یوروپ نے اپنے "عہد تاریک" کے بعد اندلس فتح کر کے مسلمانوں سے یہ مادی علوم سیکھے اور برت برتکر آج اس درجہ تک پہونچا دیا۔ ان دونوں عہدوں کے بارہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حقتعالیٰ نے موجودہ مادی اشیا کی دریافت کو جو حاجات واقعیہ میں واقعی مفید ہونیکی بجائے صرف سہولت تعیش میں معین ہوتی ہیں مشروط و منحصر رکھا ہے تھا برکت عامہ محمدیہ پر جو کا فر و مسلم دونوں کو بقدر استعداد ملی مسلمانوں نے جو اسے برتا تو رعایت حدود کے ساتھ برتا اس کے اندر انہماک نہیں ہونے دیا۔ اپنے محیا و ممات کو ان کیلئے نہیں بلکہ خدا کے لئے رکھا۔ خدا کو خدا مانا۔ اس سے انکار نہیں ہونے پایا ایسی تلبس و تشبث کو اور ان کے نتائج کو تو ہم بلا تاویل علوم محمدیہ میں داخل کر سکتے ہیں کہ لشکریوں کی فتوحات میں سالار لشکر کی فتوحات اور برکات اقبال ہیں لیکن آج کے کفار کے علوم مادی اور ارتقار مادی بھی اس حیثیت سے یقیناً فیوض محمدیہ میں داخل ہیں کہ وہ بھی ہمارے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت (امت دعوت) ہیں اور یہ علوم و ترقی بھی ان کو نبی اکرم صلعم کی برکت عمومی اور رحمت عالمگیر کی بدولت نصیب ہوئی ان "شپرہ" صفتوں کو اس آفتاب کے سامنے آکر اس کا استقبال کرنے اور اسکی دید اور اُسکا نور اسکی حرارت براہ راست لینے کی توفیق تو نہوئی اس لئے کہ انکی روحیں شقی اور خسیس تھیں البتہ وہ کوٹھریوں میں یا رات کے پردہ ہی میں رہکر بواسطہ ماہ و انجم اس کے عکس کا عکس لینے پر قانع ہو گئے۔ اللّٰھم صل وسلم علی من اوتی علم الاولین والآخرین

مادہ کی موجودہ ترقیاں جیسی کچھ محیر العقول اور جاذب نظر ہیں محتاج بیان نہیں۔ پھر حسن اتفاق سے اس کے موجودہ حاملین (یوروپین اقوام) میں حسن ظاہر بھی جو نظر آیا تو دیکھنے والوں کی چشم ظاہر بھی خیرہ اور حیران بن گئی اور چشم باطن بھی مرعوب و مسحور ہو گئی۔ آفتاب مغرب سے نکلے تو جسم و جان ہی کیا دین و ایمان کسی کی بھی خیر نہیں الا ماشاء اللہ بہرحال مادیت کا اصلی دور گزر چکا۔ اور جن قوموں نے مادہ کی بنیادی تشکیل و ترقی میں عملی قصہ لیا وہ بھی گذر چکیں مختصراً چند اشارے اس سلسلہ میں اور بھی سن لیجئے کہ وہ قومیں بھی معمولی نہیں تھیں اور انکی مادی ترقیاں بھی معمولی نہیں تھیں خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی قومیں تھیں کہاں کہاں تھیں کن کن اوصاف کی حامل تھیں مگر اتنا ہم بھی دیکھتے ہیں کہ آج باوجود ان ترقیوں کے لوگ اہرام مصر کی تعمیر ہی میں حیران ہیں۔ کیسا مصالحہ لگایا گیا۔ اتنی بلندی پر کس طرح بھاری بھاری پتھر پہونچائے گئے۔ فن تعمیر کسقدر بلند معیار تک پہونچ چکا تھا۔ دیوار چین آج بھی حیرت کا باعث ہے۔ مگر آخر وہ قومیں کیا ہوئیں۔ اور آجکی ترقی خواہ قوموں کے مقابلہ میں اُن کا درجہ کیا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ حق نے سبکو فنا کر دیا اور وہ قومیں زور میں روپیہ پیسہ میں۔ قد و قامت میں۔ مال خزانے میں۔ اے مخاطبین قرآن تو موتم سب سے زیادہ تھیں" مگر فنا کا ہاتھ ڈری ترکیونکہ وہ خدا کا ہاتھ ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آجکی ترقیاں پچھلے اقوام کی بنیادی ترقیوں کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ مگر حیرت ہے کہ آجکی ان ثانوی ترقیوں پر بھی کم ظرف انسان مادہ ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے۔ مادہ اس لئے تھا کہ خدا کی قدرت کاملہ کی زیادہ سے زیادہ نشانیاں دیکھ کر خدا کا عرفان اور بھی اعلیٰ اور تام ہو۔ مگر آج اُسے خدا کا حریف بنایا جا رہا ہے۔ مادہ ہمارے لئے تھا آج ہم مادہ کیلئے ہو رہے ہیں!!

اسی کے ساتھ کسقدر حیرت اور حسرت ہوتی ہے ان مادہ پرستوں کی حالت پر کہ جس چیز میں منہمک ہو کر یہ لوگ دین و مذہب کو خیرباد کہہ رہے ہیں اور دین و مذہب والوں کا مضحکہ اُڑا رہے ہیں ان غریبوں کو خبر نہیں کہ انھیں نماز و روزہ کرنیوالوں نے ان اشیاء کو ہم تک پہونچایا ہے جس چیز پر ہو کر مذہب کو چیلنج دے رہے ہیں وہی چیز دراصل خادم تھی خدا پرستوں کی، اور اپنے ظہور میں محتاج تھی دین و مذہب والوں کی۔ جس عروس مادہ کے دلفریب کرشموں نے آج ان لوگوں کے عقل و ہوش چھین لئے ہیں اور جسکو یہ عروس کمبر اور دوشیزہ غیر ممسوسہ سمجھ رہے ہیں وہ (جیسا کہ اوپر عقل و نقل سے ثابت کیا گیا ہے) دراصل عروس ہزار داماد" ہے ان لوگوں کو لازم تھا کہ ان محسنین عالم کا شکر ادا کرتے اور مادہ کے اولین اکتشاف کرنے والوں کے احسانمند ہوتے اور ان بزرگوں کے حق احسان ادا کرنے کی کوشش کرتے جو

سلیم الفطرتی کا تقاضا تھا مگر یہ الٹا انھیں کے اور ان کے صحیح نام لیواؤں کے دشمن ہو گئے۔ ہم تو اسوقت ان کی رعونت کو ایک حد تک حق بجانب سمجھتے جب یہ خود تمام ایجادات و اکتشافات کا سبب بنتے۔

پھر حیرت در حیرت یہ ہے کہ باوجود دعوائے عقل کے ایک لمحہ کیلئے بھی ان مادہ پرستوں کو اسکا خیال نہیں گزرتا کہ مادہ کے کرشمے تو دیکھے ورا اسکی حریف "روح" کے کرشمے بھی تو دیکھیں۔ اور تجربہ یا کم سے کم مطالعہ کیا جائے کہ ان دونوں کے صحیح مدارج کیا ہیں! دونوں کی قوت پرواز کتنی کتنی ہے۔ خیر مادہ پرستوں نے اگر کم علمی یا پست معیاری سے مادہ کو حقیقت الحقائق کا درجہ دے رکھا ہے تو انکی بے بصیرتی خود ان کی غلط فہمی کے لئے عذر بن سکتی ہے۔ گہری اندھیریوں میں اگر کوئی سفید کو سیاہ سمجھ بیٹھے تو ہر کوئی اُسے معذور سمجھے گا مگر قابل ماتم ہے اُن فرزندان اسلام کیحالت جو نور اسلام پانیکے بعد بھی اُسی غلط فہمی کی تائید کر رہے ہیں آہ "چاند" زنگی کے حسن پر ریجھنے لگا۔!!

دونوں کا فرق اسمیں شک نہیں کہ مادہ اور روح میں مادہ محسوس ہر مرئی ہر اور جسم رکھنے کے سبب، جگہ گھیرتا ہی اور روح غیر محسوس ہے غیر مرئی ہر اور اپنے ظہور کیلئے کچھ جگہ گھیرنا تو درکنار یہ بھی بتانا دشوار ہر کہ وہ ہی کہاں؟ روح کو بقول روحانین) اشد وقوت میں مادہ پر لاکھ وجوہ سے ترجیح سہی، مگر جب وجود کا سوال کیا جائے ایک محسوس اور ایک غیر محسوس شے کے درمیان، تو تمام عقلیں موجود تو صرف محسوس شے ہی کو کہیں گی۔ غیر محسوس کو خوش عقیدگی کی منطق سے موجود کہہ لیں تو کہہ لیں صرف سر کی آنکھیں رکھنے والا تو کبھی قائل ہو گا نہیں۔ آپ ہی فرمایئے ہمالیہ پہاڑ سامنے ہو اور آپ اوسکے مقابلہ میں غیر مرئی برقی طاقت پر لکچر دے رہے ہوں یا کمرہ میں ہوا بھری ہو مگر ایک روپیہ بھی پڑا ہو تو کتنے آدمی ہونگے جو آپکی برقی طاقت کی ترجیح کے قائل اور روپیہ کے مقابلہ میں ہوا کے وجود کے معترف ہوں گے!؟ یوں بہ نظر ظاہر مادہ کی فتح معلوم ہوتی ہے۔

مگر سوال جب یوں کیا جائے کہ "عقل بڑی یا بھینس" تو آخر وہی عام عقلیں بلکہ بچکانی عقلیں صحیح جواب بھی تو دینے لگتی ہیں کہ عقل بڑی ہی حالانکہ وہ غیر محسوس ہر۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ترجیح کے لئے جسامت، محسوسیت وغیرہ ضروری نہیں بلکہ تاثیر۔ قوت۔ گیرائی۔ فعالیت وغیرہ خصائص ترجیح کا صحیح معیار ہیں۔ اگر یہ معیار صحیح اور یقیناً صحیح ہے تو میرے پیارے دوستو! پہلو میں ضمیر کے احساس دلمیں خدا کے یقین کو ساتھ لیکر میری باتیں سنو تو مانو گے کہ یہ مادہ اپنے ظہور میں تمہارے ہی نیک اور پاک کا بر کا مرہون منت رہا ہی اور تمہاری آخری ہادیٔ اکبر اور رہبر اعظم صلعم کی طرز تعلیم اور طرز زندگی

سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مادہ ہمارے انہماک کے لائق نہیں۔ یہ ہمارا محکوم اور خادم ہے اس سے تلبس بقدر ضرورت اور اس سے تمتع کا تعلق رکھنا اور محدود رکھنا چاہیئے۔ اصل کام اس زندگی میں اور خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد روحانی اوصاف اور باطنی اخلاق کو ترقی اور جلا دینا ہے تاکہ اُس روح الارواح، اُس حقیقت الحقائق، اُس خالق ارض وما فی الارض جل جلالہٗ سے انسان اپنا رشتہ جوڑ سکے اور ہر چیز سے کام اسطرح لیا جائے کہ اُس خالق مادہ کی فعالیت کا استحضار تام ہو۔ نہ اس مادہ کے کرشمے دامنگیر دل ہوں نہ اپنی فاعلیت پر نظر جائے پھر اسوقت تو یہی مادے بلکہ عناصر بلکہ کائنات کی کارفرمائی تو تیں بھی خادم بنکر کام کریں گی۔ یاد رکھیئے مادہ میں انہماک پرستش کی حد تک تو یقیناً گمراہی ہے۔ مادین کے ساتھ اسمیں اشتغال تو یہ روا ضرور ہے مگر سچ پوچھیئے تو اصل کامیاب وہی لوگ ہیں جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اوس سے صرف ضرورت کے درجہ میں تمتع کیا اور اپنے کو اعلیٰ درجہ کا ربانی انسان بنایا وہ دیکھنے میں بھولے ہیں مسکین ہیں۔ پراگندہ بال اور شکستہ حال ہیں مگر وہ اس پایہ کے ہیں کہ بعون اللہ اپنے گھر سے آلات مکبر الصوت، لاسلکی، ٹیلیفون کے بغیر سینکڑوں میل سے اپنے سپہ سالار کو یا ساریۃ الجبل کہہ کر چالیس بتاتے ہیں اور ہوا کو یہ پیام پہونچانا پڑتا ہے (واقعہ حضرت عمرؓ) وہ باذن اللہ بغیر ہوائی جہاز، اڑن کھٹولے یا کسی چیز کی وساطت کے، اپنی نعلین تک کو ہوا پر اُڑا سکتے ہیں (واقعہ خواجہ اجمیریؒ) وہ بغیر جہازوں اور کشتیوں کے دریا کو گھوڑوں سے عبور کرتے ہیں اور بہنے والے پانی کو خدا کے حکم سے ٹھوس زمین کا سا کام کرنا پڑتا ہے (واقعہ حضرت سعدؓ بعہد حضرت عمرؓ) وہ سمندر کی مچھلیوں کو حکم دیتے ہیں کہ میری سوئی جو پانی میں گر گئی نکال لاؤ اور ان کو لانا پڑتا ہے (واقعہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ) یہ ہیں مختصر کارنامے۔ روحانیین اور ربانیین کے۔

یارب اس ساغر لبریز کی مے کیا ہوگی (اقبالؒ) جادۂ راہ بقا ہے خط پیمانۂ دل

میں نے مادہ کی بعض موجودہ ترقیوں اور کارناموں کے مقابلہ ہی میں روح کی بعض ترقیوں اور کارناموں کا ذکر کیا ہے مادہ کو یہ شرف آج نصیب ہوا ہے۔ روحانی بزرگ مدتوں پہلے اس قسم کے کرشمے دکھا چکے تھے بات یہ ہے کہ دنیا میں مادہ بھی موجود ہے اور خالق مادہ بھی۔ اب آپ جسطرف بھی اپنا "شوق بندگی" ولولۂ اشتغال وانہماک صرف کریں یہ آپکے ذوق پر منحصر ہے اگر آپ عناصر مادہ کیطرف ہاتھ بڑھاتے ہیں تو بقول عارف رومیؒ سے "اب وخاک وباد وآتش بندہ اند، با من وتو مردہ باحق زندہ اند" وہ آپ کے تصرف کا عمل واثر قبول کرنے کیلئے کچھ ادھر کا بھی اشارہ

چاہیں گے۔ اگر اشارہ ہوگا تو وہ آپ کا کہنا نہیں گے ورنہ وہ انکار کردیں گے۔ اور اگر قبول بھی کریں گے تو بھی کافی دقت لگیگی۔ لیکن اگر خالقِ مادہ کی طرف بڑھتے ہیں تو معاً سارے مادوں کو سارے عناصر کو ساری مخفی کار فرما قوتوں کو سرکار الوہیت (جل جلالہ) کیطرف سے خفیہ احکامات پہونچ جاتے ہیں کہ یہ ہمارا خاص مقرب دربار ہے۔ ہماری قلمرو میں ہر چھوٹا بڑا اس کا خیال کرے، ان کی ناخوشی ہماری ناخوشی ہے"

اب میں اس درخواست پر مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اگر یہ مضمون اور اس کے استدلات نصوص صریحہ و اصول و قواعد شرعیہ کے مخالف و مصادم ہوں تو مجھے متنبہ کیا جائے تاکہ میں اس خیال سے توبہ کرلوں اور اگر مخالف نہ ہوں اور اس کی صحت کا امکان بھی ہو اور میری تاویلات۔ قیاسات۔ استدلالات اصولاً صحیح ہوں مگر کہیں میرے قلم سے سوء تعبیر کی لغزش ہوئی ہو۔ کہیں اجمال و ابہام رہ گیا ہو کہیں طوالت مل ہو۔ کہیں سہو نسیان ہو کہیں کم مائگی کی وجہ سے نقص و خامی ہو تو ان سے عفو و کرم کو راہ دیکر درگزر کیا جائے اور حلم و متانت سے مجھے اسی رسالہ کے ذریعہ اطلاع دیدی جائے۔ و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی من اوتی علم الاولین والآخرین۔
